حضرت مولانا محمد طاسین مدظلہ

# ادھار چیز زیادہ قیمت پر بیچنے کی شرعی حیثیت

## (۲)

الحق میں اس مقالہ کی اشاعت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ادارہ کی بھی یہی رائے ہے البتہ ریسرچ و تحقیق علمی اور فقہی حلقوں میں رہ سے بحث و تحقیق، استدلال اور اس موضوع پر جامع اور عظیم تر مواد، مآخذ، دلائل اور استنباطات کی جدید تحقیقات بہترین علمی کاوشوں کی صورت میں سامنے آجائیں گی ملک بھر کے جید علماء کرام مفتیانِ عظام اور مذہبی سکالروں نے اس مضمون کا نوٹس لیا ہے اس سلسلہ کے جوابی اور تحقیقی مضامین کا آئندہ شمارے سے سلسلہ اشاعت شروع کیا جائے گا۔ پیش نظر مضمون کی دوسری قسط بھی اس لیے شائع کر دی ہے تاکہ موضوع سے دلچسپی لینے والے حضرات کے سامنے مولانا محمد طاسین صاحب اور اس مسئلہ میں ان کے مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے حضرات کا موقف اپنے تمام تر استدلال اور توضیحات کے ساتھ سامنے آسکے۔ ادارہ

قرآن مجید کی جس دوسری آیت سے معاملہ زیر بحث کی شرعی حیثیت پر روشنی پڑتی اور اس کا عدم جواز ثابت ہوتا ہے وہ سورۃ النساء کی یہ آیت ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ (الآیہ ۲۹)

اے وہ لوگو جو ایمان لاتے ہو تم آپس میں ایک دوسرے کے اموال ناحق طریقے سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ وہ ایسی تجارت کا طریقہ ہو جس میں فریقین کی حقیقی رضامندی پائی جاتی ہو۔

اس آیت کریمہ کے دو حصے ہیں پہلے حصہ میں باطل طریقہ سے ایک دوسرے کا مال کھانے لینے کی ممانعت ہے اور اِلَّا حرف استثناء کے بعد دوسرے حصے میں ایسی تجارت کے طریقہ سے ایک دوسرے کا مال لینے کی اجازت ہے جس میں ہر فریق کی حقیقی اور دلی رضامندی پائی جاتی ہو، پہلے حصہ میں جو لفظ باطل ہے حق کی ضد ہے اسی وجہ سے اس کا ترجمہ ناحق کیا جاتا ہے، بعض مفسرین کرام نے باطل کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت حسن بصری [illegible]

کا یہ قول پیش کیا ہے:۔

الباطل ھو کل ما یوخذ من الانسان بغیر عوض۔ (تفسیر الکبیر ج ۱۰ صٓ)

ہر وہ مال لینا باطل ہے جو کسی انسان سے بغیر عوض لیا جائے۔

تفسیر المنار میں علامہ رشید رضا نے باطل کی تفسیر میں لکھا ہے:

اما الباطل ما لم یکن فی مقابلۃ شیئ حقیقی۔

باطل وہ ہے جو کسی حقیقی شے کے مقابلہ میں نہ ہو یعنی اس کے بالمقابل کوئی حقیقی چیز نہ ہو۔

لہذا آیت مذکور کے پہلے حصّہ کا مطلب ہوا مسلمانو! تم آپس میں ایک دوسرے کا مال بغیر عوض کے نہ لو، یعنی معاوضے کے معاملات میں ایک دوسرے کا مال بغیر ایسے عوض کے نہ لو جو مالیت اور قدر وقیمت میں اس کے برابر ہو کیونکہ کسی مال کا صحیح عوض اور بدل صرف وہ ہوتا ہے جو قدر وقیمت میں اس مال کے برابر ہو بنا بریں آیت کے پہلے حصہ کی رو سے ہر وہ معاشی معاملہ باطل اور ممنوع قرار پاتا ہے جس میں ایک فریق کے لیے اس کے مال کا سرے سے عوض موجود ہی نہ ہو یا عوض تو موجود ہو لیکن قدر وقیمت کے لحاظ سے اس مال کے مساوی نہ ہو۔

آیت کے دوسرے حصہ میں معاوضے کے صرف اس معاملہ کو باطل سے مستثنیٰ اور جائز بتلایا گیا ہے جس میں ہر فریق کے لیے اس کی چیز کا بدل موجود ہوتا لہذا فریقین کی حقیقی رضامندی پائی جاتی ہے چونکہ تجارت یعنی بیع وشراء کا معاملہ ایسا ہی ہے اس میں بائع کو اپنی چیز کا عوض ثمن اور قیمت کی شکل میں اور مشتری کو اپنی چیز کا عوض خریدی ہوئی شے یعنی مبیع کی شکل میں ملتا ہے، البتہ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ بائع، مشتری کی کسی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی چیز اس سے زائد قیمت پر بیچ دیتا ہے جو قیمت بازار میں عام طور پر اس چیز کی ہوتی ہے یا مشتری، بائع کی کسی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کی چیز اس قیمت سے کم قیمت پر خرید لیتا ہے جو بازار میں عام طور پر ہوتی ہے لہذا بیع وشراء کی ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ ایک فریق کی حقیقی رضامندی موجود نہیں ہوتی اس وجہ سے کہ اس کے لیے اس کی چیز کا پورا اور صحیح عوض وبدل موجود نہیں ہوتا لہذا بیع وشراء کا ایسا معاملہ ایک فریق کی حقیقی رضامندی موجود نہ ہونے کی وجہ سے ناجائز وممنوع قرار پاتا ہے جہاں تک ظاہری اور زبانی رضامندی کا تعلق ہے وہ تو معاملہ ربوٰ میں بھی موجود ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود ربوٰ کا معاملہ حرام وممنوع رہتا ہے بلکہ حقیقت میں رضامندی کا خارجی اور معروضی معیار ہر فریق کے لیے اس کی چیز کا صحیح عوض وبدل موجود ہونا ہے وہ موجود ہو تو اس کا مطلب رضامندی کا موجود ہونا ہے اور موجود نہ ہو تو اس کا مطلب رضامندی کا موجود نہ ہونا ہے، آیت مذکور کی تفسیر میں جو عرض کیا گیا ہے اس کی روشنی میں معاملہ زیر بحث کو جب غور سے دیکھا جاتا ہے تو یہ معاملہ، باطل کا بھی مصداق نظر آتا ہے کیونکہ اس میں بیچنے والا ادھار کی وجہ سے اپنی سو روپے کی چیز جو ڈیڑھ سو میں بیچتا ہے تو اس میں خریدار سے جو پچاس روپے زائد لیتا ہے

ان کا کوئی عوض اس کی طرف سے خریدار کے لیے موجود نہیں ہوتا لہٰذا وہ بغیر عوض کے دوسرے کا مال لیتا ہے جس کو آیت کے اندر باطل سے تعبیر کرکے ممنوع ٹھہرایا گیا ہے، نیز یہ بیع وشراء کا ایسا معاملہ دکھائی دیتا ہے جس میں ایک فریق کے لیے اس کی چیز کا عوض موجود نہ ہونے کی وجہ سے اس کی رضامندی موجود نہیں ہوتی۔ ظاہر ہے کہ اس میں خریدار کے لیے مذکورہ بالا مثال کے مطابق پچاس روپے کا عوض موجود نہیں ہوتا جو قرض کی وجہ سے بیچنے والا خریدار سے لیتا ہے لہٰذا اس کی حقیقی رضامندی بھی موجود نہیں ہوتی لہٰذا اس پہلو سے بھی یہ معاملہ ناجائز اور ممنوع قرار پاتا ہے۔

زیر بحث معاملہ کی شرعی حیثیت سے متعلق جہاں تک احادیث نبویہ کا تعلق ہے تو متعدد احادیث سے بھی اس کا ناجائز ہونا ثابت ہوتا ہے ان بکثرت احادیث سے بھی جن میں ربٰو کی سختی کے ساتھ مذمت اور ممانعت ہے طوالت سے بچتے ہوئے میں ان کو یہاں نقل اور ذکر نہیں کر رہا۔ بیع عینہ کی ممانعت سے متعلق جو احادیث ہیں ان سے بھی اس ملے کا عدم جواز مفہوم و مستنبط ہوتا ہے البتہ یہاں میں اس حدیث کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں جس میں ربوا النسیئۃ کی نعت بیان فرمائی گئی ہے حدیث کی بعض کتابوں میں وہ ان الفاظ سے ہے۔

ن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ لی اللہ علیہ وسلم کل قرض جر منفعۃ ھو الربو۔ (بلوغ المرام)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر وہ قرض جو منفعت اندوزی کا ذریعہ بنے وہ ربٰو ہے۔

مطلب یہ کہ جو قرض قرض دینے والے کے لیے قرض لینے والے کی طرف سے مالی منفعت کا سبب اور ذریعہ بنتا ربٰو ہے۔ اس حدیث کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ سند کے لحاظ سے اگرچہ ضعیف ہے لیکن اس کے مضمون کی تائید چونکہ آثار صحابہ کرام سے ہوتی ہے لہٰذا اس کو ہمیشہ قابل اعتماد سمجھا گیا اور فقہاء کرام اس سے استدلال کرتے رہے صحابہ کرام کے وہ آثار جن سے اس حدیث کو تقویت ملتی ہے سنن الکبریٰ للبیہقی اور اعلاء السنن وغیرہ میں مذکور ہیں آثار سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ کرام اس کو جائز نہیں سمجھتے تھے کہ قرض دینے والا قرض کی وجہ سے اپنے مقروض کسی طرح کا کوئی مادی فائدہ اٹھائے اگرچہ وہ کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو، میں بغرض اختصار ان کو یہاں نقل نہیں کر رہا جو نا چاہے مذکورہ کتب میں دیکھ سکتا ہے مولانا ظفر احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ربٰو کے موضوع پر اپنے رسالہ کشف الدجیٰ ان کو یکجا جمع کر دیا ہے جو امداد الفتاویٰ میں بھی شامل ہے، بہرحال اس حدیث کی رو سے بھی معاملہ زیر بحث ناجائز پاتا ہے کیونکہ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ جو شخص مثلاً ایک سو روپے کی چیز ادھار پر ڈیڑھ سو روپے میں فروخت ہے وہ پچاس روپے جو زائد لیتا ہے اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ قرض سے فائدہ اٹھاتا اور عت اندوز ہوتا ہے اگر قرض نہ ہوتا تو نقد کی صورت میں اس کو اس چیز کے صرف سو روپے ملتے، پھر جب یہ معاملہ ث مذکورہ کے مطابق ربٰو کی تعریف میں آتا ہے تو اس کا بھی وہی شرعی حکم ہو سکتا ہے جو ربٰو وسود کا ہے یعنی حرام و ناجائز ہونا۔

یہاں تک جو کچھ لکھا گیا اس کی بنا پر پورے وثوق ویقین کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہے کہ زیر بحث معاملہ قرآن و حدیث کی رو سے حرام اور ناجائز معاملہ ہے۔

اس کے بعد یہ واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ برصغیر پاک و ہند کے بعض علماء کرام نے اپنی کتابوں میں بطور فتوی لکھا ہے کہ معاملہ مذکور شرعاً جائز معاملہ ہے یعنی شرعاً اس میں کچھ حرج نہیں کہ ادھار پر کوئی چیز نقد کے مقابلہ میں زائد قیمت پر بیچی جائے چنانچہ اس فتوے کے پیش نظر بلا سود بینکاری کے لیے سود کے متبادل جو معاملات تجویز کئے گئے ہیں ان میں سے ایک معاملہ یہ بھی ہے کہ بینک کو اس کی اجازت دے دی گئی ہے کہ اس سے کوئی شخص مشین وغیرہ خریدنے کے لیے قرضہ مانگے تو وہ اس کو سود پر نقد دینے کی بجائے اس سے کہے کہ میں تیری مطلوبہ چیز خرید کر تم کو ایک سال کے ادھار پر دے دیتا ہوں اور ادھار کی وجہ سے مرابحہ کے نام پر اس کی اتنی قیمت لگائے جو بازار کی مروجہ قیمت سے کہیں زائد ہو مثلاً یہ کہے کہ یہ چیز جو مجھے سو روپے میں پڑی ہے پچاس روپے کے نفع کے ساتھ بیچتا ہوں تم ایک سو پچاس روپے ایک سال کے بعد ادا کر دینا۔ مطلب یہ کہ اس طرح کے معاملہ کو بینک کے لیے جائز قرار دیا گیا ہے جو حقیقت میں اپنے مقصد اور اثرات و نتائج کے لحاظ سے ربا کی طرح کا معاملہ ہے اگرچہ اس کو بیع مرابحہ اور بیع موجل کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے، ویسے جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا بیع مرابحہ بھی شرعاً جائز ہے جب اس میں ربح و نفع کی مقدار بازار کے عام عرف و رواج کے مطابق ہو، اسی طرح بیع موجل بھی شرعاً جائز ہے جب بیچی جانے والی چیز کی قیمت ادھار میں بھی اتنی ہی ہو جتنی نقد کی صورت میں تھی۔

اب میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جو حضرات علماء کرام معاملہ زیر بحث کو شرعاً جائز سمجھتے اور کہتے ہیں ان کے وہ دلائل کیا ہیں جن کی بنا پر وہ ادھار کی چیز زیادہ قیمت پر بیچنے کو جائز و درست مانتے ہیں۔ لیکن اس بارے میں نہ میں اُن حضرات میں سے کسی کا اسم گرامی ذکر کروں گا اور نہ اس کتاب کا نام لکھوں گا جس میں کسی نے ایسا لکھا ہے بلکہ صرف وہ دلائل ذکر کروں گا جو ان حضرات نے اپنے موقف کے ثبوت میں پیش فرماتے ہیں اور فیصلہ ایسے اہل علم حضرات پر چھوڑ دوں گا جو استدلال اور استنباط کے مختلف طریقوں کا غیر معمولی علم و فہم رکھتے۔ صحیح اور غلط استدلال کے درمیان تمیز کر سکتے اور فیصلہ کرنے میں انصاف اور حقیقت پسندی سے کام لیتے ہیں۔

قارئین کرام یہ پڑھ کر حیران و متعجب ہوں گے کہ جو اہل علم حضرات معاملہ زیر بحث کے جواز کے قائل ہیں وہ اس کے ثبوت میں نہ قرآن مجید کی آیت پیش کرتے ہیں نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث، نہ آثار صحابہؓ، تابعین میں سے کوئی اثر، نہ آئمہ مجتہدین کا کوئی اجتہادی قول اور نہ مسلمہ قواعد فقہیہ میں سے کوئی قاعدہ پیش فرماتے ہیں بلکہ اس کے ثبوت میں بطور دلیل فقہ حنفی کی دو کتابوں مبسوط اور ہدایہ کی ایک ایسی عبارت پیش کرتے ہیں جس سے کسی طرح یہ مطلب نہیں نکلتا کہ ادھار پر کوئی چیز نقد کے مقابلہ میں زیادہ قیمت پر بیچنا خریدنا شریعت اسلامی کی رو سے جائز ہے

میں اس عبارت کو پیش کرنے سے پہلے جس سے ان حضرات نے استدلال فرمایا ہے اس سیاق وسباق کا بیان ضروری سمجھتا ہوں جس میں وہ عبارت ذکر ہوتی ہے تاکہ حقیقت واقعہ کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

جس سیاق وسباق میں وہ عبارت واقع ہے اس کی کچھ تفصیل یہ کہ فقہ حنفی کی مذکورہ بالا کتابوں میں جہاں بیع مرابحہ کی بحث ہے اس میں بیع المرابحہ کی فقہی تعریف، اس کی صحت کی شرائط، اور اس کی مختلف شکلوں اور ان کے متعلق شرعی احکام کا بیان ہے، بیع مرابحہ کی تعریف جن الفاظ میں کی گئی ہے اردو زبان میں ان کا مطلب اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے، بیع مرابحہ خرید و فروخت کا ایسا معاملہ ہے جس میں کوئی شخص یہ کہہ کر اپنی کوئی چیز دوسرے پر فروخت کرتا ہے کہ یہ چیز میں نے اتنے میں خریدی یا مجھے اتنے میں پڑی ہے اور اتنے نفع کے ساتھ فروخت کرتا ہوں اور دوسرا اس پر اعتماد و بھروسہ کرکے وہ چیز خرید لیتا ہے گویا اس میں کوئی چیز اس کی قیمت خرید پر متعین نفع کے ساتھ بیچی خریدی جاتی ہے، چونکہ اس بیع میں سچائی اور دیانتداری بنیادی حیثیت رکھتی ہے لہذا اس کو بیع الامانۃ بھی کہا جاتا ہے اس بیع کی صحت اور تکمیل کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ اس میں نہ صرف یہ کہ حقیقتاً جھوٹ اور خیانت موجود نہ ہو بلکہ اس کا شبہ بھی نہ پایا جاتا ہو چنانچہ یہی وجہ ہے کہ معاملہ طے پا جانے کے بعد اگر جھوٹ وخیانت کا شبہ ظاہر ہو جاتے تو خریدار کو اس کے رد وقبول کا خیار رہتا ہے چاہے تو اس کو برقرار رکھے اور چاہے تو ختم کر دے۔

بیع المرابحہ کی وہ شکلیں جن میں جھوٹ وخیانت کے شبہ کی بنا پر خریدار کو معاملہ طے ہو جانے کے بعد رد وقبول کا خیار ہوتا ہے ان میں سے ایک شکل جس کا امام محمد الشیبانی نے اپنی کتاب جامع الصغیر میں ذکر کیا ہے اس طرح ہے:

من اشتریٰ غلامًا بالف درهم نسیة فباعه بربح مائة درهم ولم یبین، فعلم المشتری فان شاء ردّه وان شاء قبل۔

ایک شخص نے ایک غلام ایک ہزار روپے میں ادھار پر خریدا اور پھر ایک سو درہم کے نفع پر اس کو فروخت کیا اور خریدار کو یہ نہیں بتلایا کہ میں نے ایک ہزار درہم میں ادھار پر خریدا تھا، معاملہ طے پا جانے کے بعد خریدار کو اس کا علم ہوا تو ایسی صورت میں اس کو رد وقبول دونوں کا اختیار رہتا ہے۔

جامع الصغیر میں امام محمد نے عبارت مذکور کے بعد اس کی کوئی توجیہ نہیں فرمائی کہ اس صورت میں خریدار کو معاملے کے رد کا کیوں اختیار رہتا ہے اس کی عقلی طور پر کیا وجہ ہے، لیکن بعد کے بعض حنفی فقہاء کرام نے مذکورہ جزئیے کو نقل کرنے کے بعد اس کی توجیہ بھی لکھی ہے، شمس الائمہ السرخسی نے اپنی کتاب المبسوط میں اس کے متعلق جو تحریر فرمایا ہے وہ حسب ذیل ہے،

"قال رحمه الله واذا اشتریٰ شیئًا نسیة فلیس له ان یبیعه مرابحة

حتی یتبین انه اشتراہ نسیة لان بیع المرابحة بیع الامانة تنفی عنه کل تھمة وجنایة ویتحرز فیه من کل کذب وفی معاریض الکلام شبهة فلا یجوز استعمالها فی بیع المرابحة، ثم الانسان فی العادة یشتری الشیٔ بالنسیة باکثر مما یشتری بالنقد" (المبسوط، ج ۱۳ ص۷۸)

اس عبارت کا وہ حصہ جو اس مقصود بحث ہے وہ یہ ہے:

ثم الانسان فی العادة یشتری الشیٔ بالنسیة باکثر مما یشتری بالنقد۔

پھر انسان عادۃً ادھار کی چیز اس قیمت سے زائد پر خرید لیتا ہے جو نقد کی صورت میں ہوتی ہے۔

مطلب یہ کہ ادھار پر خریدی ہوئی شے جب مرابحہ کے طور پر فروخت کی جاتے تو امانتداری اور راست گوئی کا تقاضا یہ ہے کہ فروخت کرنے والا خریدار کو صاف بتلا دے کہ یہ شے میں نے ادھار پر اتنے میں خریدی ہے اور اتنے نفع کے ساتھ فروخت کرتا ہوں اور یہ کہ بتلا دینا اس لیے ضروری ہے کہ حاجت مند انسان جب کوئی شے ادھار پر خریدتا ہے تو عادۃً بمقابلہ نقد کے زیادہ قیمت پر خرید لیتا ہے لہٰذا ہوسکتا ہے کہ یہ چیز بھی اس نے اپنی حاجتمندی اور ناداری کی وجہ سے زیادہ قیمت پر خریدی ہو جو بصورت نقد بازار میں اس کی نہ ہو اور اب چونکہ وہ نقد کی صورت میں فروخت کر رہا ہے ادھار کی صورت میں نہیں کر رہا لہٰذا اس پر لازم ہے کہ خریدار کو اس حقیقت سے آگاہ کر دے چنانچہ آگاہ ہو جانے کے بعد بھی اگر وہ اس کو مطلوبہ قیمت پر خرید لیتا ہے تو پھر اس کو طے شدہ معاملہ فسخ کرنے کا اختیار نہیں رہتا بخلاف اس صورت کے کہ وہ خریدار کو اس سے آگاہ نہیں کرتا اور معاملہ طے پا جانے کے بعد اس کو اس کا پتہ چلتا ہے تو وہ اس معاملے کو فسخ کر سکتا ہے۔

مبسوط کی مذکورہ عبارت میں جس انسان اور اس کی عادت کا ذکر ہے ظاہر ہے کہ وہ وہی ہوسکتا ہے جو کسی چیز کا حاجتمند ہو اور ناداری کی وجہ سے نقد پر نہ خرید سکتا ہو اور اس کو وہ چیز نقد کی قیمت پر بطور قرضہ حسنہ کے بھی نہ مل سکتی ہو ایسا انسان اپنی حاجت براری کے لیے مجبور ہوتا ہے کہ وہ ادھار دینے والے کی مرضی کے مطابق زیادہ قیمت پر خرید لے اور لفظ عادت کا مطلب ہے کہ ایسا ہوتا ہے یہ مطلب نہیں کہ ایسا لازمًا اور دائمًا ہوتا ہے کیونکہ یہ بھی ہوتا ہے کہ قرض حسن کی اسلامی تعلیم پر عمل کرنے والے اور ربو کی ہر شکل سے بچنے اور اجتناب کرنے والے متقی مسلمان، جب کسی حاجتمند انسان کو اس کی ضرورت کی چیز ادھار پر دیتے ہیں تو اسی قیمت پر دیتے ہیں جو بصورت نقد بازار میں اس کی رائج ہوتی ہے ادھار کی وجہ سے زیادہ قیمت پر نہیں دیتے۔ بہرحال اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو مادی فائدہ کے بغیر کسی کو قرض نہیں دیتے اور اپنے معاشی معاملات میں اسلامی اصول و احکام اور حلال و حرام کا خیال نہیں رکھتے لہٰذا ایسے لوگوں کا رویّہ اور طرز عمل شریعت اسلامی کی رو سے جائز و درست نہیں ہوتا، شمس الائمہ السرخسی کی مذکورہ عبارت

میں کوئی لفظ بھی ایسا نہیں جو اس پر دلالت کرتا ہو کہ ان کے نزدیک لوگوں کی مذکورہ عادت شرعاً جائز و درست عادت ہے رہا یہ سوال کہ پھر انہوں نے اس کو ناجائز کیوں نہیں لکھا تو اس کا جواب یہ کہ یہاں ان کا مقصد اس عادت کے جواز و عدم جواز سے بحث کرنا نہیں بلکہ ان کا اصل مقصد بیع المرابحہ کی ایک خاص شکل سے متعلق امام محمدؒ کے مذکورہ قول کی توجیہ کرنا ہے جو عادت مذکورہ کے ناجائز ہونے کی شکل میں بھی ہو جاتی ہے۔

مبسوط کی مذکورہ عبارت کے بعد اب میں صاحب الہدایہ علامہ المرغینانی کی وہ عبارت نقل کرتا ہوں جس سے زیر بحث معاملے کے جواز کے لیے استدلال فرمایا گیا ہے ذیل میں ملاحظہ فرمائیے۔

| | |
|---|---|
| قال من اشترى غلاماً بالف درهم نسية فباعه بربح مائة ولم يبين، فعلم المشترى فان شاء ردّه وان شاء قبل لان للاجل شبها بالمبيع الایری انه يزداد فى الثمن لاجل الاجل، والشبهة فى هذا ملحقة بالحقيقة فصار كانه اشترى شيئين وباع احدهما مرابحة بثمنهما. (هداية آخرين ۔ ص ۵۸۰٫۵۸) | امام محمدؒ نے کہا جس نے ایک ہزار درہم کے بدلے ایک غلام ادھار پر خریدا اور پھر مرابحہ کے طور پر ایک سو درہم کے نفع پر اس کو بیچ ڈالا اور خریدار کو نہیں بتلایا کہ میں نے ادھار پر خریدا تھا بعد میں خریدار کو اس کا علم ہوا پس اب اگر وہ چاہے تو اس کو رد اور چاہے تو اس کو قبول کر سکتا ہے کیونکہ اجل یعنی قرض کی مہلت [illegible] مدت بیچی جانے والی چیز سے کچھ مشابہت رکھتی ہے کیا یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اجل کی وجہ سے قیمت میں اضافہ کیا جاتا ہے، اور چونکہ مرابحت کے باب میں شبہ بیع کو حقیقت بیع سے ملحق کر دیا گیا ہے لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ گویا بیچنے والے نے جس قیمت میں دو چیزیں خریدی تھیں یعنی غلام اور اجل، اس قیمت پر ان میں سے ایک چیز کو یعنی غلام کو بیچ دیا۔ |

اس عبارت میں مقصود بحث اس کا وہ حصہ ہے جس میں صاحب ہدایہ نے امام محمدؒ کے قول مذکور کی توجیہ پیش فرمائی ہے یعنی مرابحہ کی مذکورہ شکل میں معاملہ طے پا جانے کے بعد خریدار کو معاملہ فسخ کرنے کا جو اختیار حاصل ہوتا ہے عقلی طور پر اس کی وجہ کیا ہے وہ وجہ صاحب ہدایہ کے نزدیک مرابحہ کی اس شکل میں شبہ خیانت کا پایا جانا ہے جس سے بیع مرابحہ کو پاک ہونا چاہیئے کیونکہ بیع المرابحہ، بیع الامانۃ ہے، اور شبہ خیانت کی جو وضاحت انہوں نے فرمائی ہے وہ یہ کہ جو شخص ادھار پر کوئی چیز خریدتا ہے اس کے متعلق گو یقین نہ سہی لیکن یہ شبہ ضرور ہو سکتا ہے کہ اس نے جس قیمت میں وہ چیز خریدی ہے وہ قیمت تنہا اس چیز کی نہ ہو بلکہ ادھار کی جو اجل اور مہلت ہے اس کی بھی ہو کیونکہ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو ادھار کی مہلت اور مدت کی وجہ سے فروخت کی جانے والی چیز کی قیمت بڑھا دیتے لہٰذا ادھار پر خریدی ہوئی ہر چیز کے متعلق یہ شبہ ضرور

ہو سکتا ہے کہ اس کی جو قیمت ہے وہ تنہا اس کی نہ ہو بلکہ اس کے ساتھ اجل اور مہلت ادھار کی بھی ہو بنا بریں جو شخص نقد کی صورت میں بھی شئے کی وہی قیمت وصول کرتا ہے جو ادھار کی صورت میں اس شئے کی تھی تو وہ گویا دو چیزوں کی قیمت ایک چیز سے وصول کرتا ہے کیونکہ نقد کی صورت میں اجل نہیں ہوتی صرف چیز ہوتی ہے لہٰذا وہ ایک طرح کی خیانت کا مرتکب ہوتا ہے جو مرابحت کے معاملہ میں عیب ہے اور چونکہ مبیع میں عیب ظاہر ہونے کی صورت میں خریدار کو ردّ و قبول کا خیار ہوتا ہے لہٰذا بیع المرابحہ کی اس شکل میں بھی خریدار کو ردّ و قبول کا اختیار حاصل ہوتا ہے، اس توجیہ کے ضمن میں صاحب ہدایہ نے اپنی اس بات کی تائید میں کہ اجل، مبیع سے کچھ مشابہ ہے فرمایا۔ الایری انہ یزداد فی الثمن لاجل الاجل کیا یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اجل یعنی ادھار کی مدت کی وجہ سے شئے کی قیمت بڑھا دی جاتی ہے، اس سے بعض اہل علم حضرات نے یہ مطلب نکالا ہے کہ ادھار کی چیز کی قیمت بمقابلہ نقد کے بڑھا دینا شریعت اسلام کی رو سے جائز ہے حالانکہ عبارت مذکورہ سے یہ مطلب بالکل نہیں نکلتا اس عبارت میں جو بات کہی گئی بلحاظ واقعہ بالکل درست ہے کہ کچھ لوگ ایسا کرتے ہیں یعنی ادھار کی چیز کی قیمت زیادہ کر دیتے ہیں لیکن ان کا ایسا کرنا، قرآن و حدیث کی رُو سے جائز ہوتا ہے یا ناجائز؟ عبارت مذکور کے کسی لفظ سے اس کا اظہار نہیں ہوتا اس لیے کہ صاحب ہدایہ کا مقصد یہاں صرف یہ بیان کرنا ہے کہ اجل کی مبیع سے کچھ مشابہت یا اجل کے متعلق مبیع ہونے کا شبہ ہے کیونکہ کچھ لوگ اجل کی وجہ سے قیمت میں اضافہ کرتے ہیں یہاں ان کا مقصد اس کے جواز و عدم جواز سے بحث کرنا اور یہ بتلانا نہیں کہ ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا ناجائز و یہی وجہ ہے کہ ہدایہ کے شارحین نے بھی اس بارے میں کچھ نہیں لکھا فتح القدیر، بنایۃ، عنایۃ اور کفایہ وغیرہ کو دیکھ لیجیے کسی نے نہیں لکھا کہ اجل کی وجہ سے شئے کے ثمن میں اضافہ کرنا جائز ہے، اسی طرح کسی کا اس کو ناجائز نہ لکھنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ یہاں پر مقصد اس کے جواز و عدم جواز سے بحث کرنا ہے ہی نہیں نیز جو معاملہ بدیہی طور پر ناجائز ہو اس کو ناجائز لکھنے کی ضرورت بھی کیا ہے بہرحال کسی معاملے کے جائز یا ناجائز ہونے کا اصل معیار، قرآن و حدیث اور ان کے اصول و احکام ہیں چنانچہ جو معاملہ ان کے مطابق ہو وہ جائز اور جو مطابق نہ ہو بلکہ خلاف ہو وہ ناجائز قرار پاتا ہے لوگوں کا اس کو کرنا یا نہ کرنا، اس کے جواز و عدم جواز کا کوئی معیار نہیں ورنہ شریعت ایک کھلونا بن کر رہ جائے گی۔

علاوہ ازیں اگر مذکورہ عبارت یعنی "یُزْدَادُ فِی الثَّمَنِ لِاَجَلِ الْاَجَلِ" سے یہ مفہوم ہے کہ اجل یعنی مہلت قرض کسی ثمن و قیمت کا عوض و بدل بن سکتی ہے تو تین سطروں کے بعد خود صاحب ہدایہ نے واضح الفاظ سے اس کی نفی کر دی ہے، فرمایا: "وان استھلکہ ثم علم لزمہ بالف ومائۃ لان الاجل لا یقابلہ شیئ من الثمن" اور اگر مذکورہ مثال میں خریدار نے خریدنے کے بعد غلام کو ہلاک یا فروخت وغیرہ کر دیا یعنی اس کے ہاتھ میں نہ رہا اور پھر اس کو یہ علم ہوا کہ وہ غلام ایک ہزار درہم میں ادھار پر خرید اگیا تھا اور ایک سو درہم منافع کے ساتھ مجھ پر فروخت کیا گیا تو اب وہ فروخت کرنے والے سے کچھ بھی واپس نہیں لے سکتا اور اس کو یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے جو گیارہ سو درہم آپ کو دیئے ان

(باقی ص ۴۸ پر)